Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:12 (1969)

شیخ محمد رشید رضا

★★★★ محمد نذیر کاکاخیل فیلو ادارۂ تحقیقات اسلامی ★★★★

شیخ محمد عبدہٗ کے شاگردوں میں سے جس نے سب سے زیادہ ان کے افکار کو نہ صرف ان کی زندگی میں بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی عوام تک پہنچایا، اور ان کی مسلسل نشر و اشاعت کی، وہ سید محمد رشید رضا تھے[1]
سید صاحب مرحوم نے نہ صرف اپنے رسالہ "المنار" میں شیخ محمد عبدہٗ کے خیالات و افکار کی ترجمانی کی اور ان کی اصلاحی کوششوں کا پرچار کیا بلکہ ان کی سوانحی تاریخ بھی مکمل کی۔ اور جو تفسیر القرآن شیخ محمد عبدہٗ نے شروع کی تھی، اسے مکمل کیا۔

سید محمد رشید رضا کی ان مساعی کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ اپنے عظیم استاد کے برعکس ان کو بچپن ہی سے نہ صرف قدیم علوم کے مطالعہ کا موقع فراہم کیا گیا بلکہ جدید علوم کے مطالعہ کی ترغیب بھی دی گئی[2]۔ اس لحاظ سے ان کے خیالات نہ تو قدامت پسندانہ ہیں اور نہ "الٹراماڈرن" علاوہ ازیں ان کو ابتدا میں شیخ حسین الجسر کی سرپرستی بھی حاصل ہوگئی تھی جو کہ بعض خیالات میں کسی قدر ترقی پسند تھے اور جس کے نتیجے میں رشید رضا کے ذہن میں شیخ محمد عبدہٗ سے پہلے ہی سے عقیدت مندی پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن شیخ حسین الجسر کا یہ شاگرد بعد میں جس راستے پر اور جس رفتار سے گامزن ہوا، اس کو شیخ الجسر پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جب سید رشید رضا نے قاہرہ آکر "المنار" شائع کیا تو شیخ حسین الجسر نے ان کو لکھا:-

" المنار نمودار ہو گیا ہے، جو غیر معمولی لیکن حیرت انگیز روشنیوں سے درخشاں ہے۔ بات

---

[1] سیّد محمد رشید رضا شام کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۶۵ء میں ٹریپولی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اور طرابلس الشام میں تعلیم مکمل کی۔

[2] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو البرٹ حورانی۔ عریبک تھاٹ ان دی لبرل ایج۔ ص ۲۲۴ وبعد

صرف اتنی ہے کہ روشنیاں اس قدر تیز ہیں کہ بصارت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے"۔ [۳]

اپنی طالب علمی کے زمانہ میں سیّد رشید رضا تصوف کے دلدادہ تھے۔ اس دور میں وہ تصوف کے بعض اعمال واشغال سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ لیکن عام طور سے وہ اپنا زیادہ وقت درس قرآن میں صرف کرتے تھے۔ ان دنوں وہ زہد و درویشی اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتے اور عقائد و اعمال میں خالص مقلد تھے۔ اگر کبھی کبھار اصلاح کا خیال آتا بھی تو وہ خالص مقامی نوعیت کا ہوتا۔ لیکن سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہٗ کے اشتراک سے پیرس سے شائع ہونے والے جریدہ" العروۃ الوثقیٰ" کے مطالعہ نے ان کا سارا زاویہ نگاہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ چنانچہ وہ ایک جگہ اپنے استاد شیخ محمد عبدہٗ کی سوانحی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

" میں نے اپنے والد کے کاغذات میں جریدہ (العروۃ الوثقیٰ) کے کئی ایک پرچے پائے جن میں ہر ایک میں بجلی کی ایک کرنٹ (CURRENT) تھی، جس نے میری روح کو دھچکا سا دیا اور مجھ میں ہیجان پیدا کر دیا۔ میری کیفیت عجیب سے عجیب تر ہو گئی۔ میرے اپنے تجربے، دوسروں کے تجربوں اور تاریخ نے مجھ پر ثابت کیا ہے کہ اس عہد یا اس سے پہلے کسی عربی جریدہ نے کسی کے دل میں اس قدر تلاطم پیدا نہیں کیا، جس قدر اس جریدہ نے کیا" [۴]

مصر پر ۱۸۸۲ء میں انگریزوں کے قبضے کے بعد شیخ محمد عبدہٗ کو مصر سے نکلنا پڑا۔ اسی دوران میں جب شیخ محمد عبدہٗ ۱۸۹۲ء میں شام کے شہر طرابلس آئے تو رشید رضا نے ان سے ملاقات کی۔ اسی طرح ۱۸۹۴ء میں دونوں کی پھر ملاقات ہوئی۔ ۱۸۹۷ء میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد رشید رضا مصر چلے گئے اور قاہرہ میں شیخ محمد عبدہٗ کے ساتھ کام کرنے لگے۔ اگلے سال یعنی مارچ ۱۸۹۸ء میں "المنار" نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ نکالا جو بعد میں ماہوار جریدہ بن گیا۔ اس رسالہ میں شیخ محمد عبدہٗ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ جامعہ الازہر میں شیخ محمد عبدہٗ جو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ رشید رضا اس کے نوٹس لے کر رسالے میں شائع کرتے تھے۔" المنار" کی اشاعت کا مقصد جیسا کہ چارلس سی۔ ایڈمز نے بیان کیا ہے، یہ تھا:۔

" العروۃ الوثقیٰ کی روایات کو دوام ہو۔ وہ رسالہ مذکور کی سیاسی حکمت عملی کو اختیار نہیں کرنا چاہتے تھے

---

[۳] عبدالمجید سالک۔ اسلام اور تجدد مصر میں (لاہور ۱۹۵۸ - ص ۲۵۲ بحوالہ المنار I/۲

[۴] سیّد محمد رشید رضا، تاریخ استاد الامام محمد عبدہٗ جلد اوّل (مصر ۱۹۳۱ء) ص ۳۰۳

کیونکہ اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔ البتہ اصلاح کا عام مقصد بدستور پیش نظر تھا، جس کے لئے العروۃ الوثقیٰ نے جدوجہد کی تھی۔ اس عام مقصد میں ذیل کی شقیں بھی شامل تھیں۔ اجتماعی، دینی اور اقتصادی اصلاحات کے لئے کوشش کرنا۔ موجودہ حالات کے ماتحت مذہب اسلام کی موزونیت اور مطابقت ثابت کرنا، قانون الٰہی کو آلۂ حکومت کی حیثیت سے قابل عمل بنانا۔ ان اعتقادات اور اوہام کو نابود کرنا جن کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ مسلمانوں کے عقائد کی غلط تعلیمات و تاویلات کی تردید کرنا، مختلف فرقوں کے درمیان رواداری اور اتحاد کی ترغیب دینا، تعلیم کو عام کرنا۔ نصاب درسی اور طریقۂ تعلیم میں اصلاحات رائج کرنا۔ علوم وفنون کی ترقی کی ہمت افزائی کرنا اور مسلمان اقوام کو ان تمام معاملات میں جو قومی ترقی کے لئے لازمی ہیں، دوسری قوموں سے مسابقت کے لئے برانگیختہ کرنا۔" [۵]

واقعہ یہ ہے کہ شیخ محمد عبدہٗ نے جس اصلاحی تحریک کا بیڑا اٹھایا تھا، سید رشید رضا نے استاد کا حق شاگردی ادا کرتے ہوئے اسے برابر جاری رکھا اور اس کو آگے بڑھانے کی پوری سعی کی۔ اپنے استاد کی طرح ان کا بھی خیال تھا کہ دین اسلام اپنے ابتدائی دور میں اس قدر سادا تھا کہ دوسری قوموں کے لئے عربوں سے اسلام سیکھنا بالکل آسان تھا۔ اور اسی سادگی کا نتیجہ تھا کہ اسلام اس قدر سرعت کے ساتھ پھیلا۔ لیکن بعد میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ مسلمان جو کہ ایک وقت ترقی کے بلند زینے پر تھے، پستی کی طرف گرتے چلے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے دین کی ابتدائی سادگی کو بھلا دیا۔ آخر یہ کیونکہ ہوا؟ اس لئے کہ بعد میں اسلام کی تعلیمات اور اخلاقی ضوابط کو صحیح معنوں میں سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی چنانچہ سید رضا لکھتے ہیں :-

"اسلام کی تعلیمات اور اخلاقی ضوابط کو اگر صحیح معنوں میں سمجھنے کی کوشش کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے تو وہ نہ صرف اس دنیا میں کامیابی و کامرانی کا موجب ہوں گے بلکہ آخرت کے لئے بھی نفع بخش ثابت ہوں گے ان کو سمجھنے اور ان کی اطاعت کرنے میں ان کی قوت، عزت، تہذیب اور خوشی کا راز مضمر ہے۔ جب کہ ان کو نہ سمجھنا اور ان سے روگردانی کرنا ان کی ناکامی، تباہی اور بربادی کا موجب بنے گا۔ یہ نہ صرف افراد کے لئے فرداً فرداً ضروری ہے بلکہ معاشرے کے لئے بحیثیت مجموعی بھی ضروری ہے۔ امت اسلامیہ اس وقت تک تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہی جب تک یہ اسلامی رہی۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان غیر مسلموں سے سائنس اور تہذیب میں پیچھے ہیں۔ مشرق قریب کے مسلمان یورپ کے عیسائیوں سے تو ایک طرف مشرق میں رہنے والے عیسائیوں سے

---

[۵] اسلام اور تجدد مصر میں۔ ص ۲۵۶

جو کہ ان کے درمیان رہتے ہیں، کافی پیچھے ہیں۔ ایک سو سال تک جدید تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی مصر میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو آزاد رائے (INDEPENDENT JUDGEMENT) رکھتے ہیں؟ اور اسی طرح ہندوستان میں بھی ہندوؤں اور پارسیوں کے مقابلے میں کتنے ایسے مسلمان ہوں گے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین کی سچائی کھو بیٹھے ہیں اور اس میں ان کی ہمت افزائی ان کے بُرے سیاسی حکمرانوں نے کی ہے۔ کیونکہ حقیقی اسلام میں تو صرف دو چیزیں شامل ہیں۔ ایک: اللہ کو ایک ماننا اور دوسرے حکومت کے معاملوں میں باہم مشورہ کرنا۔ ظالم حکمرانوں نے مسلمانوں کو اوّل الذکر کے چھوڑنے کی ہمت دلائی تاکہ وہ موخر الذکر کو خود بخود بھول جائیں۔"[6]

سیّد محمد رشید رضا کا اصرار تھا کہ اگر مسلمانوں کو دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل کرنی ہے تو ان کو چاہیئے کہ دوبارہ اسلام کے اس سادا دَورِ اوّلین کی طرف رجوع کریں جس میں اسلام اپنی سادگی کے باوجود مکمل تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"دین کے تمام اصول جن میں صحیح عقائد، اخلاقی تعلیمات، اللہ کے ہاں پسندیدہ اعمال دینی اور معاشرتی تعلقات کے تمام عمومی اصول اور حفظ جان و مال کے مبادی شامل ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل ہو چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "الیوم اکملت لکم دینکم ..... الخ" پس جہاں تک عقائد و عبادات کا تعلق ہے، ان کی تفصیل مکمل ہو چکی ہے۔ اس میں کمی کی جا سکتی ہے نہ بیشی۔ اور جو کوئی اس قسم کی حرکت کرے گا وہ اسلام میں ردّ و بدل اور نیا دین لانے کا مرتکب ہوگا۔ (جسے کبھی برداشت نہیں کیا جا سکتا) اس کے علاوہ وہ اخلاقی اصول بھی جو تمام قانونی اور حکومتی ضوابط کی بنیاد تھے، جن میں عدل، مساوات حقوق، امتناع جرائم، تعزیرات و حدود، شورائی نظام وغیرہ شامل تھے، دے دیئے گئے تھے۔ شارع علیہ السلام نے تفصیلی وضع قوانین کا اختیار "اولی الامر" یعنی علماء، رؤساء اور حکام کے سپرد کر دیا تھا۔ جن کے متعلق شریعت کا حکم تھا کہ وہ ارباب علم و عدل اور آپس میں مشورہ کرکے زمانے کی ضروریات کے مطابق ایسے قوانین وضع کریں جو زیادہ سے زیادہ فوائد کا موجب ہوں۔ صحابہ کرام اس اصول کو خوب سمجھتے تھے۔ خود رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضاحت سے اس چیز کو بیان فرمایا جیسا کہ حضرت معاذؓ کے ارسال یمن کے واقعہ سے ظاہر ہے"[7]

---

[6] البرٹ حورانی۔ عربیک تھاٹ۔ ص ۲۲۷، ۲۲۸ اور المنار IX ۷-۱۹۰۶ء ص ۳۵۷ و بعدہ

[7] سید محمد رشید رضا۔ کتاب محاورات المصلح والمقلد (مصر ۱۳۲۴ھ) ص ۵۸، ۵۹

مسلمانوں کے زوال و انحطاط کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ آپس میں دین کی جزئیات پر اختلافات میں مشغول ہو گئے ہیں اور ان اختلافات نے بعد میں انتہائی شکل اختیار کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بجائے متحد و متفق رہنے کے وہ ایک دوسرے سے دُور ہوتے چلے گئے اور اس طرح روز بروز امت کی وحدت کا شیرازہ بکھر تا گیا۔ سید رشید رضا کو اس امر کا شدید احساس تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج کو پاٹنے کی غرض سے انھوں نے تجویز پیش کی :-

"علماء اور فضلاء میں سے جو اہل الحل والعقد ہیں، ان کو چاہیئے کہ آپس میں مل بیٹھ کر ایک کتاب مرتب کریں جس میں وہ تمام عقائد اور اخلاقی اصول جمع کر دیئے جائیں جن پر تمام فرقوں کا اتفاق ہو اور جو موجودہ زمانہ کے مطابق ہو۔ خلیفہ وقت کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب کو تمام اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے نافذ کرائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو علماء کا فرض ہے کہ اس کے نفاذ کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ (علماء) بھی ایسا کرنے میں پس و پیش کریں تو ہر مسلمان پر اس بات کا جان لینا فرض ہے کہ ہمارے امراء اور علماء ہی وہ لوگ ہیں جو ہمارے دین کو برباد کرنے والے ہیں اور جنہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا"[۸]۔

عبادات میں مسلمانوں میں یگانگت پیدا کرنے کے لئے سید رشید رضا یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جن معاملوں میں خلف سے سلف[۹] تک تواتر کے ساتھ اتفاق ہے۔ انہی کو مانا جائے اور مسلمانوں پر صرف انہی کو واجب سمجھا جائے۔ جن باتوں میں ان کے درمیان اختلاف ہو مثلاً جہر بالبسملۃ، رفع یدین، عید کی تکبیریں وغیرہ تو یہ غیر واجب ہیں ..... ان میں مسلمانوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ سلف صالحین میں سے جن کے طریقے کو اچھا سمجھیں اسی کو اختیار کریں[۱۰] تمام اصلی و بنیادی اعمال میں مسلمانوں کو واحد مسلک یا واحد مذہب فقہ کے تقاضوں کو اختیار کر لینا چاہیئے۔ اور جیسا کہ آجکل ہے۔ فقہ کے مذاہب اربعہ کی بے شمار اور بے نتیجہ تفصیلات کی بنا پر فرقہ بندی کی تقسیمات قائم نہ کرنی چاہئیں[۱۱] ـــــــ یہ تو تھی اہل السنّت کے اتحاد کے بارے میں سید رشید رضا کی تجویز، اگرچہ مرحوم خود سنّی مسلک سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کے نزدیک جس طرح سنّیوں کے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان اتحاد ضروری تھا، اسی طرح سُنّیوں اور شیعوں کے درمیان بھی اتحاد کی اشد ضرورت تھی۔ اس اتحاد کے لئے وہ ان دو شرائط کو نہایت ضروری خیال کرتے ہیں۔ (۱) دونوں مذہبی گروہ ان معاملات میں ایک دوسرے

---

[۸] محاورات۔ ص ۱۳۱۔ محولہ بالا۔ [۹] سید رشید رضا کے نزدیک سلف سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے تھے جبکہ ان کے استاد مفتی محمد عبدہ کے نزدیک سلف سے مراد رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے الغزالی تک کے اکابر ہیں۔ [۱۰] محاورات۔ ص ۶۵۔ [۱۱] اسلام اور تجدد مصر میں۔ ص ۲۷۱

سے تعاون کریں جن پر ان کا اتفاق ہو۔ اور جن معاملوں میں اختلاف ہے ایک دوسرے کو معاف کریں اور تنقید نہ کریں۔
(ب) جب ایک گروہ والا دوسرے آدمی کو بدنام کرے تو اس آدمی کا گروہ اس بارے میں دوسرے گروہ کے سامنے جواب دہ ہوگا[۱۲] اس طرح اختلافات اگر گھٹیں گے نہیں تو کم از کم بڑھیں گے بھی نہیں۔"

عبادات کے علاوہ جہاں تک عام اجتماعی روابط کے بارے میں قوانین اور تجارت و کاروبار کے متعلق قواعد و ضوابط کا تعلق ہے، سیّد رشید رضا کہتے ہیں کہ ان کو مذہب سے الگ رکھنا چاہیئے اور انہیں کسی ایسے ضابطے کا جزو لاینفک نہ بنا دینا چاہیئے جو مقدس اور ناقابل تغیر قرار دیا گیا ہو، جیسے کہ مذاہب اربعہ کی کتب فقہ سمجھی جاتی ہیں۔ یہ قوانین اور قواعد و ضوابط بلاشبہ قرآن و سنت پر مبنی ہونے چاہئیں لیکن اس میں ہر زمانے کی ضروریات کے مطابق وقتاً فوقتاً تبدیلیوں کی گنجائش بھی ہونی چاہیئے۔ فقہ کے مذاہب اربعہ کے قوانین کی یہی جامد اور ناقابل تبدیل نوعیت ہے جو آج مسلمان اقوام کی پس ماندگی کی سب سے بڑی ذمہ دار ہے! اور اسی وجہ سے بعض مسلم حکومتوں نے اسلام کے خدائی قانون کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ یہ قانون موجودہ حالات کے لئے موزوں نہیں[۱۳]

سید رشید رضا مرحوم مسلمان ممالک کے اتحاد پر بھی زور دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ سید جمال الدین افغانی کے خیالات سے بہت حد تک متاثر تھے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم سے پہلے جب ترکوں کی دولت عثمانیہ موجود تھی، اور شام، فلسطین، عراق اور جزیرہ عرب اس میں شامل تھے۔ اس زمانے میں دراصل دولت عثمانیہ کا وجود ہی یورپی طاقتوں کی ہوس توسیع میں روک تھا۔ سید رشید رضا مرحوم چاہتے تھے کہ عثمانی سلطان کو سب مسلمان اپنا حقیقی لیڈر تسلیم کریں کیونکہ مسلمان حکمرانوں میں سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ علیحدہ علیحدہ مسلم حکومتیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی طرح ایک وفاق کے اجزاء کی حیثیت اختیار کرلیں۔ ہر مسلمان حکمران ایک نمائندہ اسمبلی کی مدد سے حکومت کرے۔ اور اپنی قلمرو کے اندرونی نظم و نسق میں کاملاً آزاد ہو۔ لیکن یہ تمام مسلمان سلطنتیں اپنے دشمنوں کے مقابلے میں یک جا ہو کر متحدہ محاذ قائم کریں۔ اتحاد اسلامی کا نصب العین یہی ہونا چاہیئے۔ یہ وفاق ہر قسم کے سیاسی منصوبوں اور سازشوں سے الگ تھلگ رہے۔ مزید برآں اسلام میں اگرچہ دین و حکومت لازماً متحد ہیں لیکن خالص مذہبی پہلو میں سیاست سے تعلق رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور جو لوگ اسلام کی حمایت یا تعلیم و تبلیغ میں مصروف ہیں، انہیں سیاسیات میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔[۱۴]

---

[۱۲] البرٹ حورانی۔ عربیک تھاٹ۔ ص ۳۱-۲۳۰ بحوالہ السنۃ والشیعۃ ۱۱ ص ۲۰۸ وبعد

[۱۳] اسلام اور تجدد مصر میں۔ ص ۷۳-۲۷۲- [۱۴] ایضاً ص ۲۵۹ اور حاشیہ نمبر ۴، ۵